قبرص
صلیب وہلال کی رزمگاہ

قبرص میں کیا ہو رہا ہے؟

بحیرہ روم کا تیسرا بڑا جزیرہ قبرص ہے، جسے اہل عرب قُبْرُسْ اور اہل یورپ سائپرس (CYPRUS) کہتے ہیں۔ قبرس عربی زبان میں تانبے کی ایک قسم کا نام ہے جو اس جزیرے میں بکثرت ملتی ہے۔ اسی نسبت سے جزیرے کو موسوم کر دیا گیا۔

قبرص تین براعظموں افریقہ، ایشیا اور یورپ کا سنگم ہے۔ ترکی سے چالیس۴۰ میل جنوب میں شام کی بندرگاہ انطاکیہ سے ساٹھ۶۰ میل مغرب میں اور ایشیائے کوچک کی راس انامور سے صرف چھیالیس۴۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے، قبرص کا کل رقبہ ۳۵۷۲ مربع میل ہے۔ جزیرے کی شرقاً غرباً لمبائی ایک سو چالیس۱۴۰ میل اور شمالاً جنوباً چوڑائی ساٹھ میل ہے۔ آبادی پانچ لاکھ پچاس ہزار نفوس پر مشتمل ہے، جس میں ترک اور یونانی قبرص اہم اجزاء ہیں۔ محدود سی مقدار آرمینی باشندوں کی ہے۔

قبرص ایک عرصے سے صلیب وہلال کی رزمگاہ بنا ہوا ہے۔ تاریخی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ قبرص میں ۴۰۰۰ تا ۳۰۰۰ ق-م میں عہدِ متاخر حجری کے لوگ (NEOLITHIC) آباد تھے۔ بعد ازاں مصری، یونانی اور فنیقی اقوام یہاں آباد ہوتی رہیں۔ اور جزیرہ حسن کی دیوی ایفرڈائٹ (APHRODITE) کے لئے مشہور ہو گیا۔ ایک عرصہ شامیوں کے زیرِ تسلط رہنے کے بعد ۵۶۸ ق-م میں مصر نے جزیرے پر قبضہ کر لیا اور پھر ۵۲۵ ق م میں جزیرے پر ایرانیوں کی حکمرانی قائم ہو گئی۔ ۳۳۳ ق م میں سکندرِ اعظم نے ایرانیوں سے جزیرہ آزاد کر لیا۔ سکندر کی وفات (۳۲۲ ق م) کے بعد مصر کا بطلیموس اوّل حکمران بنا۔ اور ۵۸ ق م میں جزیرہ سلطنت روما کا ایک حصّہ بن گیا اور

اسی دور میں یہاں عیسائیت نے برگ و بار پھیلائے اور عوام نے عیسائیت کو اپنا لیا۔ سلطنت روما کے زوال کے بعد جزیرے پر سات سو سال سے زیادہ عرصہ بازنطینی اقتدار قائم رہا۔ اگرچہ عربوں نے اس دور میں کئی حملے کئے[1]

۵۶۱ء میں عرب کے ریگستانوں میں چشمہ توحید پھوٹا اور عربوں کو ایک نئی قوت اور تازہ ولولے سے سرشار کر دیا۔ عرب جو باہمی لڑائی جھگڑوں میں اپنی صلاحیتیں اور قوتیں ضائع کر رہے تھے۔ انہوں نے ان صلاحیتوں کو عظمت اسلام کے لئے وقف کر دیا۔ تیرہ سال بعد مسلمانوں کی آزاد مملکت مدینہ وجود میں آگئی۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں مربع میل پر پھیل گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کا سنہری دور شروع ہوا۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کے زمانے (۱۳ھ / ۶۳۴ء — ۲۴ھ / ۶۴۵ء) میں بازنطینی سلطنت کو مسلمانوں کے مقابلے میں پے در پے شکستیں ہوئیں اور بحیرہ روم کے جنوبی حصے پر مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اس نئی صورت حال کے پیش نظر بازنطینی حکومت کو مملکت کے مشرقی حصے کی ترقی و استحکام کے لئے بحیرہ روم کے شمالی علاقے کی طرف توجہ دینی پڑی۔ چنانچہ بازنطینی سلطنت نے اپنی پوری قوت قسطنطنیہ پر مرکوز کر دی۔

حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ (گورنر شام) کے انتقال کے بعد ان کے بھائی حضرت معاویہؓ شام کے گورنر بنائے گئے تو انہوں نے بازنطینی سلطنت کی پالیسی کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ اس وقت تک بازنطینی فوجوں کا ناکہ بند نہیں کیا جا سکتا جب تک مضبوط بحری قوت نہ ہو، بازنطینی فوجیں بحری راستے سے آکر بآسانی ساحل پر اتر جاتی تھیں، لیکن مسلمان بحریہ نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان اس سہولت سے محروم تھے۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے مرکزی خلافت سے بحری فوج اور بحری بیڑہ مرتب کرنے کی درخواست کی لیکن حضرت عمرؓ نے اجازت نہ دی، کیونکہ خشکی پر مسلمان فوجیں ہر چہار طرف مصروف جہاد تھیں اور حضرت عمرؓ نیا بحری محاذ کھولنے پر رضامند نہ تھے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ۲۴ھ / ۶۴۵ء میں حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت معاویہؓ نے اپنی دیرینہ خواہش کا اظہار کیا۔ دربار خلافت سے اجازت مل گئی۔ بیڑے کی تیاری کے بعد بحیرہ روم کے جزیرے قبرص پر ۲۷ھ / ۶۴۷ء میں حملہ ہوا۔ اس حملے میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ کئی جلیل القدر صحابہ نے شرکت کی تھی جن میں حضرت ابو ذر غفاریؓ، عبادہؓ بن صامت مقدادؓ

اور ابو الدرداء رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔ خاصی تعداد میں عورتوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ حضرت معاویہؓ کی زوجہ فاختہ بنت قرظہ اور خواہر نسبتی کنوہ بنت قرظہ نے بھی شرکت کی تھی۔ کنوہ اس حملے میں دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوگئی تھیں۔ عبادہؓ بن صامت کی اہلیہ حضرت ام حرامؓ بنت ملحان ضعیفی اور نقاہت کے باوجود شریک ہوئی تھیں۔ اس جذبہ و جوشِ جہاد کی محرک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی تھی جسے بخاری و مسلم نے بایں الفاظ لکھا ہے:

یقول اول جیش من امتی	میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کریگا
یغزون البحر قد اوجبوا۔	اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ حضرت
قالت ام حرام قلت یا رسول اللہ	ام حرامؓ نے عرض کیا (دعا فرمائیے) میں ان
انا فیھم۔ قال انت[۱۳] الخ	میں ہوں، فرمایا تو ان میں سے ہے۔

اس حملے سے واپسی پر حضرت ام حرامؓ خچر سے گر کر شہید ہوگئیں اور انہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ آج بھی ان کا مزار "لارناکا" کی نمکین جھیل کے کنارے خاص و عام کا مرجع ہے۔ ساتھ ہی ایک مسجد ہے جو بحری راستے سے آنیوالوں کو دور ہی سے دکھائی دینے لگتی ہے۔

اس حملے کے بعد $\frac{۲۸ھ}{۶۴۸ء}$ میں اہلِ قبرص نے جزیہ پر صلح کر لی۔ ان کی پیشکش یہ تھی کہ خلافتِ اسلامیہ کو سات ہزار دو سو دینار سالانہ خراج ادا کریں گے۔ نیز اتنی ہی رقم بازنطینی سلطنت کو بھی دیں گے۔ حضرت معاویہؓ نے اسکی اجازت دیدی۔ معاہدہ میں یہ بھی طے پایا کہ اگر پشت کیطرف سے ان پر حملہ ہو تو مسلمانوں پر ان کی امداد ضروری نہ ہوگی اور اگر بازنطینی سلطنت مسلمانوں کے خلاف پیش قدمی کرے گی تو اسکی اطلاع دیں گے۔ نیز مسلمانوں کی افواج کو ہر ممکن سہولت بہم پہنچائیں گے۔

بعض اہلِ تصنیف نے اس مہم کو فتح قبرص سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ معاہدے سے قبرص کو ایک نیم آزاد ریاست کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ بازنطینی اثرات کم ہوگئے اور مسلمانوں کو بحیرہ روم میں ایک موزوں اڈہ مل گیا تھا۔ اور باہمی معاہدے سے اسلامی سلطنت کی بالادستی مان لی گئی تھی۔ تاریخ کے طالب علم کے لئے یہ امر موجب حیرت ہے کہ نوزائیدہ ابھرتی ہوئی بحریہ نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کی اور بازنطینی قوت کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کامیابی میں مسلمان صحابہؓ کی عزیمت اور دعائیں شامل تھیں۔

اگرچہ معاہدے کی رو سے اہلِ قبرص کو غیر جانبدار رہنا چاہئے تھا، لیکن ۳۲ھ میں انہوں

نے مسلمانوں کے خلاف بازنطینیوں کی امداد کی۔ حضرت معاویہؓ نے اگلے سال ۳۳ھ میں پانچ سو جہازوں کے بحری بیڑے سے حملہ کیا۔ اہلِ قبرص کو دوبارہ صلح کی درخواست کرنا پڑی جسے مسلمانوں نے دوبارہ شرفِ قبولیت بخشا۔ لیکن آئندہ خطرات کے پیشِ نظر ایک فوجی یونٹ بھی متعین کر دیا گیا[۵] بلاذری کے بیان کے مطابق بارہ ہزار عربوں کو قبرص میں آباد کیا گیا۔ تاکہ مسلمانوں کی آبادی قائم ہونے سے دیرپا اثرات مرتب ہوں۔ چنانچہ مسلمانوں کی سکونت سے اسلامی تہذیب و تمدن نے اہلِ قبرص پر اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا اور اسلامی ثقافت کی آئینہ دار مساجد اور مکاتب قائم ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ کے بعد یزید نے قبرص میں متعین دستوں کو واپس بلا لیا[۶] جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقامی آبادی نے مسلمانوں کو غیر محفوظ دیکھتے ہوئے ان پر چڑھائی کر دی۔ کثیر تعداد میں مسلمان مارے گئے کچھ جان بچا کر شام چلے آئے۔

عبدالملک بن مروان ۶۵ھ/۶۸۵ء میں برسرِ اقتدار آیا تو اس نے اہلِ قبرص کی سازشانہ روش کے پیشِ نظر تجدیدِ معاہدہ کا مطالبہ کیا۔ بازنطینی سلطنت کی شہ پر قبرصی ابھی تک مسلمانوں کے خلاف سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے لیکن عبدالملک کے کڑے انتظامِ سلطنت اور قوت و حشمت کے پیشِ نظر اہلِ قبرص نے خراج میں اضافہ منظور کر لیا اور از سرِ نو معاہدہ ہوا۔ ولید ثانی کے دور میں ۱۲۵ھ (۷۴۳ء) میں مستقل طور پر قبرص کا شام سے الحاق کر دیا گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اموی حکومت کے خلاف زیرِ زمین عباسی تحریک چل رہی تھی — دوسری طرف اموی سلاطین بھی جہاں بانی سے منہ پھیر چکے تھے۔ بالآخر عباسی تحریک کامیاب ہوئی اور اموی سلطنت کے کھنڈرات پر عباسی سلطنت کی عمارت اٹھی۔ ایک خاندان کے ادبار اور دوسرے خاندان کے عروج کے درمیانی عرصے سے فائدہ اٹھا کر بازنطینی قوت کام کر گئی اور ایک بار پھر قبرص بازنطینی جھنڈے کے نیچے آگیا۔ قسطنطنیہ اس کا مضبوط ترین مرکز تھا۔ صقلیہ اور قبرص کو بطور آلۂ کار استعمال کیا جا رہا تھا جس سے اسلامی سلطنت کی شمالی سرحدات مستقل طور پر خطرے میں پڑ گئی تھیں۔

ہارون الرشید کے عہد تک عباسی سلطنت نے استحکام حاصل کر لیا تھا اور اس کے عہد میں شام کے اختیارات حمید بن معیوف ہمدانی کو دئیے گئے۔ اس نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد قبرص پر حملے کا پروگرام بنایا۔ دربارِ خلافت سے اجازت لیکر حمید نے ۱۸۰ھ میں حملہ کیا۔ قلیل محاصرے کے بعد قبرص کے اسقف نے ہارون الرشید کے ساتھ صلح کر لی۔

ہارون الرشید سے صلح کے معاہدے کے باوجود بازنطینی سلطنت کے پروردہ عناصر مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیتے تھے اور آئے دن عہد شکنی کرتے رہتے تھے۔ ہارون الرشید کے جانشین امین الرشید نے شام و جزیرہ اور سرحدی علاقوں کا والی نامور سپہ سالار عبدالملک بن صالح کو بنایا۔ اس نے قبرص پر بڑے پیمانے پر ایک فیصلہ کن حملے کا پروگرام بنایا لیکن اس سلسلے میں دینی راہنمائی حاصل کرنے کے لئے اس نے لیث بن سعدؒ، مالک بن انسؒ، سفیان بن عیینہؒ موسیٰ بن اعینؒ، اسمٰعیل بن عیاشؒ، یحییٰ بن حمزہؒ، ابواسحاق فرازی اور مخلد بن حسینؒ سے استفسار کیا کہ "ایسا علاقہ جس کے باشندے مسلمانوں سے معاہدہ کرنے کے بعد مسلسل عہد شکنی کرتے ہوں، کیا ان کے علاقوں پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔" متذکرہ الصدر فقہاء کے جوابات امام ابوعبیدؒ (م ۲۲۴ھ) نے کتاب الاموال میں نقل کئے ہیں۔ ابوعبید ہی سے ان کے شاگرد البلاذری نے "فتوح البلدان" میں نقل کئے ہیں۔

زیادہ تر فقہاء کی رائے یہ تھی کہ عہد شکنی کے باوجود ان سے مجموعی طور پر جنگ نہ کی جائے اور معاہدہ کو نباہا جائے۔ تاہم ایک دو فقہاء نے جنگ کا مشورہ بھی دیا۔ اسلامی حکومت کی خیر خواہانہ روش کے باوجود بازنطینی اثرات بڑھتے رہے۔ ایک انگریز ولبرڈ نے ۷۲۲ء میں قبرص کی سیاحت کے بعد درج ذیل تاثرات لکھے:

"قبرص اس وقت عرب اور بازنطینی نفوذ کے درمیان کشمکش کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ جزیرے میں مسلمانوں کے استقرار کو ختم کرنے کے لئے بحری بیڑے نے بھرپور قوت استعمال کی ہے تاہم اسے شکست کا ہی سامنا کرنا پڑا۔"

اس سازشانہ روش کے باوجود اہل قبرص کا کثیر حصہ معاہدہ کا پابند رہا لیکن جب اضمحلال پیدا ہو تو علیحدگی کے آثار جنم لینے لگے۔ مجموعی طور پر یہ سارا عرصہ صلح و معاہدہ کا دور رہا۔

۹۶۵ء میں اہل قبرص نے معاہدے کو توڑ کر بازنطینیوں کی صدیوں پرانی آرزو کو پورا کر دیا۔ مسلمانوں سے تیر و سناں جا چکا تھا اور چنگ و رباب کا دور دورہ تھا۔ اس پر مستزاد طوائف الملوکی۔ چنانچہ قبرص مسلمانوں کے ہاتھوں سے کلیتہً نکل گیا۔ مسلم آبادی کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا اور تقریباً چھ صدیوں تک یہ خطۂ زمین اسلام کے اثر سے خالی رہا۔ اس دور میں روم کی تہذیب کا سکہ رواں اور مسلمانوں کی یادگاروں کو ایک ایک کر کے مٹا دیا گیا۔

(۳)

قبرص پر بازنطینی قبضہ قائم تھا کہ ۱۱۹۱ء میں رچرڈ اوّل شاہ انگلستان، سلطان صلاح الدین

ایوبیؒ کے مقابلے میں صلیبی جنگوں میں شرکت کے لئے آیا تو راستے میں قبرص کے بازنطینی حکمران سے جھڑپ ہوگئی۔ رچرڈ نے حملہ کر کے قبرص پر قبضہ جما لیا اور ۱۱۹۲ء میں اس نے قبرص فرینک خاندان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس طرح بازنطینی اقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔ بعد ازاں تقریباً چار سو سال فرینک خاندان حکمران رہا، اس خاندان کے حکمرانوں میں پیٹرس اوّل اپنی اسلام دشمنی کے لئے خاصا معروف ہے۔ اس نے اسلامی آثار کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی مگر ۔۔۔ ع

لکھا ہے ہم نے "نام" کہ مٹایا نہ جائے گا

پیٹرس کے جانشین شاہ جانوس نے مصر کے مملوک سلاطین کو مکمل طور پر ختم کرنے کی بھرپور تیاریاں شروع کر دیں۔ چند ایک ابتدائی جھڑپوں کے بعد ۱۴۲۶ء میں مملوک سلاطین نے ۱۸۰ جہازوں کے بیڑے سے قبرص پر حملہ کیا۔ گھمسان کی جنگ کے بعد جانوس کو شکست ہوئی۔ جانوس گرفتار ہوگیا اور آٹھ ماہ تک مملوک سلاطین نے قید رکھا اور خراج کے وعدے پر رہائی پائی۔ قبرص کی اس تباہ کن شکست کے بعد مملوک سلاطین کو قبرص کیطرف سے اطمینان ہوگیا۔ چنانچہ یوسنان کے دورِ آخر تک کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

پندرہویں صدی کے آخر میں ترک نئی قوت بن کر ابھرے اور ان کے ہلالی پرچم یورپ کے ساحلوں پر لہرانے لگے۔ اس خطرے کو سب سے پہلے وینس کے حکمرانوں نے محسوس کیا۔ ترکوں کا راستہ روکنے کے لئے ان کی نظر بھی قبرص پر ہی پڑی۔ قبرص کی برائے نام حکومت کسی بھی وقت ترکی کے ہاتھ میں جا سکتی تھی۔ چنانچہ اہلِ وینس نے ۱۴۸۹ء میں قبرص پر تسلط قائم کر کے ترکوں کا راستہ روکنے کیلئے حفاظتی بند باندھ دیا۔ ان لوگوں نے قبرص کو اپنی تہذیب میں رنگنے کی بجائے فوجی پہلو پر زیادہ توجہ دی۔ اور ان کے دور میں قبرص ایک فوجی اڈہ بن گیا۔ تاہم ترکوں کی بڑھتی ہوئی قوت کے سامنے یہ اڈہ بھی ریت کی دیوار ثابت ہوا اور ۱۵۷۱ء میں ایک بار پھر اسلام کی نورانی شعاعوں سے قبرص منوّر ہوگیا۔

(۴)

ترکوں کے اقتدار سے قبرص کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ ۱۵۷۱ء میں جب آلِ عثمان نے قبرص کو اہلِ وینس سے آزاد کرایا تو یہ جزیرہ اسلامی نظامِ زندگی کی نعمتوں سے مالا مال ہوگیا۔ ظلم و عدوان کی بجائے امن و عدل کی بہار آگئی۔ خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہوگیا۔ معاشرتی اونچ نیچ حرفِ غلط کی طرح مٹا دی اور ترکوں کی رواداری اور مروّت نے اہلِ قبرص

کے دلوں میں ان کے لئے احترام کے جذبات پیدا کر دئے۔ ترکوں نے اقتدار حاصل کرتے ہی دو اہم اقدامات کئے۔ اولاً پورے جزیرے میں غلامی کو ممنوع قرار دیدیا اور غلاموں کو معاشرے میں مساوی مقام دلایا۔ ثانیاً آرتھوڈکس کلیسا (ORTHODUX CHURCH) کو بحال کر دیا۔ جسے کیتھولک کلیسا نے بددین قرار دے کر منسوخ کر دیا تھا۔[۱۵] قبرص کی مسیحی آبادی کو اپنے پرسنل لاء کے مطابق مقدمات کے فیصلے کرنے اور اپنی مذہبی روایات کو انجام دینے کی مکمل آزادی دیدی گئی۔ اس طرح قبرص کی مسیحی آبادی کو پہلی بار مغرب کے آمریت پسند مسیحی راہنماؤں سے نجات دلائی۔ ولیم ٹرنر ان ہی اصلاحات کو دیکھتے ہوئے لکھتا ہے کہ :

"قبرص پر بظاہر "بے" حکمران ہے لیکن درحقیقت یہاں یونانی اسقف اور اس کے ماتحت پادریوں کی حکومت ہے۔"

۱۸۳۹ء میں سلطنت عثمانیہ کی طرف سے قبرص میں آئینی اصلاحات رائج ہوئیں۔ قبرص میں ایک قائم مقام مقرر کیا گیا جس کی معاونت کے لئے مقامی آبادی سے ایک انتظامی کونسل بنائی گئی۔ اس طرح قبرص کو داخلی معاملات میں خودمختاری دیدی گئی۔

تین صدیوں تک قبرص پر اسلام کا ہلالی پرچم لہراتا رہا۔ آخر انیسویں صدی کے اواخر میں بین الاقوامی سطح پر دور رس تبدیلیاں عمل میں آنے لگیں۔ نہر سویز کی بدولت یورپ کے لئے بحیرہ عرب کی اہمیت بڑھ گئی۔ اور عالمی طاقتوں کی نگاہ اس علاقے پر جم گئی۔ روس درۂ دانیال اور آبنائے فاسفورس پر تسلط جمانا چاہتا تھا جس کے لئے اُسے سلطنت عثمانیہ سے ٹکرانا ضروری تھا۔ اس مقصد کے لئے روس نے جزیرہ قبرص پر قابض ہونا فوجی مقاصد کیلئے موزوں سمجھا۔ برطانیہ جو اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لئے کوشاں تھا، اس نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مداخلت کی اور سلطان کو پیشکش کی کہ اگر سلطنت عثمانیہ قبرص کی عملداری برطانیہ کو دیدے تو وہ روسی اثر و نفوذ کو ختم کرنے میں سلطان کی امداد کرے گا۔ سلطان نے یہ پیشکش قبول کر لی۔ چنانچہ جون ۱۸۷۸ء میں دفاعی معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ معاہدے کی رو سے یہ طے پایا کہ قبرص کے نظم و نسق کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد ہوگی۔ مگر قانونی طور پر یہ جزیرہ سلطنت عثمانیہ ہی کا جزو تصوّر کیا جائے گا۔

برطانوی دور اقتدار میں یہودی قوم نے جزیرہ میں معاشی ذرائع پر تسلط حاصل کیا اور جزیرے کو بین الاقوامی تجارتی اڈے میں بدل ڈالا۔ اس عرصے میں یونانیوں اور یہودیوں کو باہر سے لاکر آباد کیا گیا۔ مسلمانوں کے اثر و رسوخ میں دن بدن کمی آتی گئی اور عملاً جزیرہ سلطنت عثمانیہ سے کٹ گیا۔

برطانوی نظم ونسق کے باوجود قبرص کے مسلمان ہمیشہ اپنے آپ کو ترکی سے منسلک سمجھتے رہے۔ ۱۸۹۲ء میں علامہ شبلی مرحوم نے روم اور ترکی کا سفر کیا۔ ۱۷ مئی ۱۸۹۲ء کو ان کا جہاز قبرص پہنچا۔ سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ :

پندرہ سولہ برس سے انگریز یہاں حکومت کر رہے ہیں، لیکن حکمت عملی کے لحاظ سے طرز انتظام میں بہت سی قدیم باتیں قائم رکھی ہیں۔ محکمہ قضا بالکل الگ ہے اور شرعی مقدمات سے حکومت انگریزی کو کچھ واسطہ نہیں۔ اتفاق سے مجھ کو قاضی صاحب سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ بہت خلیق وباوقار آدمی تھے۔ تعلیم کا طریقہ بھی بالکل ترکی انتظام کے مطابق ہے۔ تمام مکتبوں اور مدرسوں میں ترکی سررشتۂ تعلیم کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں[۱۴]

ترکی اثرات کا یہ عالم تھا کہ جزیرے بھر میں ترکی زبان کی حکمرانی تھی۔ بلا امتیاز مذہب عوام ترکی زبان ہی کو وسیلۂ اظہار بناتے تھے۔ علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں :

یہاں کی زبان ترکی ہے اور یہاں سے قسطنطنیہ تک ہر شہر اور قصبہ کی یہی زبان ہے۔ اس سے ترکوں کی حکومت اور سطوت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ممالک مفتوحہ کی زبان تک بدل دی۔ ایشیائے کوچک اتنا وسیع ملک ہے اور کثرت سے عیسائی آباد ہیں۔ جن کی زبان کسی زمانے میں یونانی یا لیٹن (لاطینی) تھی لیکن اب تمام ملک میں ترکی بولی جاتی ہے[۱۵]

جنگ عظیم اول میں ترکی محوری طاقتوں میں شامل تھا اور برطانیہ نے جنگ چھڑنے پر قبرص کو مکمل طور پر اپنی قلمرو میں شامل کر لیا اور سلطنت برطانیہ کی طرف سے یہاں ہائی کمشنر مقرر کر دیا گیا۔ ۱۹۲۴ء کی لوزان کانفرنس میں ترکوں نے بھی مجبوراً اس انضمام کو تسلیم کر لیا۔ اور اعلان کر دیا کہ "قبرص تاج برطانیہ کا مقبوضہ ہے۔"

جنگ عظیم اول کے بعد جب برطانیہ نے قانونی طور پر قبرص کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تو ترکی نے مجبوراً اسے تسلیم بھی کر لیا۔ تاہم قبرص کے ترک مسلمانوں نے غلامی کا جوا گلے میں ڈالنے سے انکار کر دیا اور تحریک آزادی کی داغ بیل ڈال دی۔ عیسائی آبادی بھی اس جدوجہد میں شامل ہوگئی۔ مگر اس کے پیش نظر کچھ دوسرے ہی مقاصد تھے۔ جنگ عظیم دوم کے بعد برطانیہ کے خلاف بغاوتوں کا آغاز ہوا۔ یونان نے ان بغاوتوں کی درپردہ امداد کی تاکہ کامیابی کی صورت میں جزیرے کا یونان سے الحاق کیا جا سکے۔

یونانی قبرصیوں کے فاسد مقاصد کے پیش نظر ترک قبرصیوں اور ان کے درمیان لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔ عیسائی قبرصیوں نے مسلم اقلیت کو تہ تیغ کرنے اور ان کی نسل کشی کی مہم چلا دی اور اس طرح قبرص میں ایک بار پھر صلیب و ہلال کی جنگ شروع ہو گئی۔ (باقی آئندہ)

حوالہ جات و حواشی

1. انسائیکلو پیڈیا امریکانا جلد ۸ لفظ "CYPRUS"
2. فتوح البلدان۔ البلاذری ترجمہ ابو الخیر مودودی۔
3. صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ ما قیل فی قتال الروم
4. انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا زیر لفظ CYPRUS
5. فتوح البلدان۔
6. لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ) آپ مصر کے قاضی اور مفتی تھے۔
7. مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) صاحب مؤطا۔
8. سفیان بن عینیہ مکہ کے بڑے فقیہہ تھے۔
9. موسیٰ بن اعین (م ۱۷۷ھ) آپ عراق کے فقہاء میں سے تھے۔
10. اسمٰعیل بن عیاش مفتی شام تھے۔
11. یحییٰ بن حمزہ قاضی دمشق تھے۔
12. ابو اسحاق فرازی اور مخلد بن حسین دونوں فقہاء سرحدی علاقوں میں مقیم تھے۔
13. انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا۔ ج ۶ ص ۹۵۳
14. سفرنامہ روم و مصر و شام ص ۴۴
15. ایضاً ص ۴۵۔

اعلانِ مسرت

بذل المجہود شرح ابی داؤد۔ جلد اول قسم اعلیٰ ۔/۳۵، قسم خاص ۔/۴۰ روپے
کوثر النبی از مولانا عبد العزیز ۔/۲۔ صرف گھوڑی ۔/۳/۵ روپے
بیس بڑے مسلمان (اکابر علماء دیوبند کے حالات) ۔/۳۰ روپے
بہشتی زیور عکسی ۔/۲۰ روپے۔ مرقات شرح مشکوٰۃ مکمل ۔/۲۴۰ روپے
فہرست مفت طلب کریں۔
مکتبہ قاسمیہ سول ہسپتال ملتان شہر